© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اشارات

اسلامی نظامِ حیات کے برحق ہونے کے روشن دلائل میں یہ حقیقت بھی شامل ہے کہ اس کا پورا ڈھانچہ ایسے صاف اور سادہ طریق سے مرتب ہے کہ ایک عامی بھی بہ یک نظر اس کی ہیئت کو سمجھ سکتا ہے، سمجھ کر اس پر ایمان رکھ سکتا ہے، اور پھر ڈٹ کر جم کر اس کی اقامت کے لیے عمر بھر معرکہ آرا رہ سکتا ہے۔

کلام، فقہ، اور تصوف کی بحثوں سے پیدا ہونے والی باریکیاں اور پیچیدگیاں اگر عام آدمی کے لیے حجابِ نظر نہ بن جائیں تو فی الحقیقت "الدین" کا مجموعی تصور نہایت ہی سادہ ہے اور بہت آسانی سے سمجھ میں آنے والا ہے۔ اس کے عقاید — توحید، نبوت اور آخرت — بالکل سادہ حقیقتوں کے آئینہ دار ہیں۔ اس کی عبادات جہاں بہت مختصر و معتدل ہیں، وہاں ان کے ادا کرنے کا طریقہ آسان ہے اور ان کا مقصد اور ان کی حکمتیں بالکل واضح ہیں۔ اس کے اصولِ اخلاق بہت ہی روشن اور جلی ہیں اور عین مطابقِ فطرت۔ اس نے مختلف شعبہ ہائے حیات کے لیے جو بنیادی ہدایتیں دی ہیں ان میں کہیں کوئی ٹیڑھ نہیں۔

"الدین یُسر" کا مفہوم اگر یہی ہے کہ اسلام پر عمل پیرا ہونا کسی بھی دوسرے مذہب یا نظام کے اتباع سے زیادہ سہل ہے، تو پھر اس کا لازمی مفہوم یہ بھی ہے کہ اس دین کا جاننا اور سمجھنا بھی سہل ہے۔ اگر کسی مذہب و مسلک یا نظام و تحریک کا سمجھنا ہی اوسط درجے کے انسانوں کے بس میں نہ ہو تو پھر اس پر عمل پیرا ہونا تو از خود کٹھن ہی ہوگا۔ یہاں تو دین بھی دینِ مبین ہے، کتاب بھی کتابِ مبین ہے، اور نبی بھی نذیرِ مبین ہے۔

آپ دینِ حق کے مجموعی ڈھانچے پر نظر ڈالیں تو علی الترتیب آپ عقاید، بنیادی عبادات، اخلاقیات، تنظیم و اجتماعیت اور ہجرت و جہاد کے شعبوں کو باہم دگر مربوط دیکھیں گے جن کی تکمیل اقامتِ عدل سے ہوتی ہے۔ ان تمام اجزا کی چولیں منطقی لحاظ سے اپنی اپنی جگہ بالکل ٹھیک بیٹھ جاتی ہیں۔ ہر شے اپنے محل پر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے تناسب کے ساتھ ہے، اپنی اہمیت کی خود گواہ ہے۔ قرآن نے جا بجا بڑے ہی ایجاز سے دین کا مجموعی تصور ذہن نشین کرایا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں حقائق کو اور بھی کھول دیا ہے۔ قرآن و حدیث کے مطالعہ سے ایک عامی بھی دینِ حق کے جن امتیازی پہلوؤں کا شعور حاصل کر سکتا ہے وہ یہ ہیں:

—— اسلام خدا سے انسان کا محض نظری و فکری نہیں، بلکہ گہرا روحانی و جذباتی اور عملی تعلق عبدیت چاہتا ہے جس کے نور سے اس کے تمام دوسرے رابطے — انسانوں سے بھی اور مادہ سے بھی درست بنیادوں پر استوار ہو جائیں — اور وہ پوری طرح ایک ذمہ دار اور جوابدہ اور پابندِ حدود ہستی بن کر جیئے۔

—— اسلام پوری زندگی کا دین ہے، وہ نہ کچھ شعبوں تک محدود ہے اور نہ کسی شعبے کو اپنے دائرہ سے باہر چھوڑتا ہے۔

—— وہ محض انفرادی مذہبیت اور نکوکاری کا داعی نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ وہ اپنے طرز کا مکمل معاشرہ و تمدن بھی تعمیر کرنا چاہتا ہے، اس لیے جماعتی نظام کو لازم کرتا ہے۔

—— وہ کسی دوسرے نظام کے ساتھ سمجھوتہ کر کے اس کے زیرِ اقتدار رہنے پر قانع نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ غلبہ و برتری چاہتا ہے۔

—— اس کی دعوت میں باطل سے کشمکش کا تقاضا شامل ہے، اور اس کشمکش کا مرتبۂ کمال جہاد ہے۔

یہ وہ چند بڑے بڑے نکات ہیں جن سے دینِ حق کا مجموعی تصور عبارت ہے۔ یہ تصور اپنی جگہ بالکل سیدھا صاف ہے۔ اگر کوئی شخص اسی مجموعی تصور کو اخذ نہ کر سکے اور اپنے ہی دامِ فکر میں الجھ کر رہ جاتے تو فتور خود تصور میں نہیں ہے، اس مواد میں ہے جو ایسے آدمی نے اپنے ذہن میں خود ہی جمع کر رکھا ہے۔

مگر عجیب بات ہے کہ بہت سے لوگ دین کے اسی سیدھے سادے، ابتدائی اور مجموعی تصور میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔

اس کا ایک بہت بڑا سبب وہ طویل تاریخ ہے جس میں سے ہم گزر کر آ رہے ہیں اور جو ہمزاد کی طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے ساتھ ساتھ چل رہی ہے ۔ اِس تاریخ میں اسلام کو یہ حادثۂ عظیم پیش آچکا ہے کہ اس کا اعتقادی، مذہبی اور روحانی عنصر بتدریج اس کے سیاسی، معاشی اور تمدنی عنصر سے الگ ہوتا چلا گیا ہے۔ انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی الگ الگ ہو کر مختلف انداز سے مختلف عناصر کی رہنمائی میں ارتقا کرتی رہی ہیں۔ سیاست و جہانبانی سے روحانی و اخلاقی عنصر بے دخل ہوا تو جابرانہ بادشاہت باقی رہ گئی اور روحانیت و اخلاق سے سیاست الگ ہو گئی تو خانقاہی تصوف نمودار ہو گیا۔ پھر غیر روحانی سیاست اور غیر سیاسی روحانیت نے اپنے اپنے راستے الگ کر کے غیر معتدل انداز پر نشوونما پائی اور دونوں جانب معاملہ افراط و تفریط تک پہنچا۔ ایک طرف دنیا رہ گئی اور آخرت کھو گئی اور دوسری طرف آخرت کی فکر میں دنیا کے انتظام کو سنوارنے کا بھاری کام نظر انداز ہو گیا۔ فی الدنیا حسنۃ اور فی الآخرۃ حسنۃ کو یکجا کرنا ممکن نہ رہا۔ مشکل یہ کہ دونوں طرف ایسی ایسی شخصیتیں اور ایسے ایسے کارنامے موجود ہیں کہ ہم ورقِ تاریخ کے نہ اس رخ کو چھوڑ سکتے ہیں، نہ اُس رخ کو۔

اِس تاریخِ دوگانہ کی پرچھائیں جہاں پڑتی ہے، اُلجھن پیدا ہو جاتی ہے سیاسی آدمی روحانیت میں ترکِ دنیا اور کشمکش سے گریز دیکھتا ہے۔ روحانی آدمی سیاست کو اجنبی شے سمجھتا ہے بلکہ روحانیت اور اخلاق و تقویٰ کی نقیض مانتا ہے۔ دونوں کے لیے مشکل ہو گیا ہے کہ وہ سیاست و روحانیت کو باہم دِگر حل کر کے دینِ جامع کی وحدت و کلیت کا نقش ذہن میں جما سکیں۔

ان دونوں کے درمیان مقام ہے ان لوگوں کا جو اقامتِ دین کی جامع اسلامی دعوت پیش کر رہے ہیں۔ سیاسی آدمی ان کو اگلے وقتوں کے لوگ کہہ کر ٹالنا چاہتا ہے، اور روحانی آدمی انہیں سیاست بازی کا طعنہ دے کر بے وقعت قرار دیتا ہے۔

تصورِ دین میں اُلجھنے کی دوسری وجہ کشمکش کی وہ بھاری مشکلات ہیں جو آج کے ناسازگار ماحول میں اقامتِ دین کی صدا بلند کرنے پر پیش آتی ہیں اور جوں جوں آگے چلیے، بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں۔

مغربی فکر، مغربی تہذیب اور مغربی ثقافت کا ہر طرف دَور دورہ ہے۔ ہمارے معاشرے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیرونی نظریات اور طور طریقوں کا نفوذ اس حد تک ہو چکا ہے کہ خود مسلمانوں کے جدید طبقوں میں اسلام بالکل اجنبی ہے۔ اسلام کی بہت سی بنیادوں اور سادہ حقیقتوں کو سمجھنا ان کے لیے مشکل ہو رہا ہے۔ خصوصاً جب آپ اسلامی نظام کا تصور ان کے سامنے رکھتے ہیں قرآن سے یہ تسلیم کرانا کہ اسلام پوری زندگی پر حاوی ہونے والا دین ہے یا اسلام میں دین و دنیا الگ الگ نہیں ہیں یا اسلام اس دور کے مسائل سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے، یا اسلام کے لیے آج بھی کامیابی اور غلبہ کے امکانات موجود ہیں، انتہائی مردافگن کام ہے۔ بڑے بڑے اصولوں سے انکار اور بغاوت موجود ہے۔ اساسی عقائد تک میں شک ہی شک ہے۔ مسلمہ تصورات کی نئی نئی مضحکہ انگیز تاویلیں ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ عمل و کردار کی انتہائی پستی کارفرما ہے۔

پھر خصوصاً جب دینِ حق کی جامع دعوت کو آپ ایسے ممالک میں لے کے آتے ہیں جہاں اسلام کے خلاف تعصب ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں سے قومی عناد بھی پایا جاتا ہے، وہاں اسلام کے اجتماعی نظام کی بات چھیڑنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔

وہ ماضی کی مشکل تھی، یہ حال کی ہے۔ آج کے سخت ناسازگار ماحول میں صحیح تصورِ اسلام قائم کرنے میں بالعموم سخت مشکل پیش آتی ہے۔ اور پھر جب پچھلی تاریخ بھی الجھن ہی پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے تو تعبیرِ دین کا معاملہ خاصی ٹیڑھی کھیر ہو جاتا ہے۔

ان دو بڑے وجوہ کے ساتھ کبھی کبھار ایک تیسری بلا بھی شامل ہو جاتی ہے۔ وہ بعض خاص افراد کی اپنی نفسیاتی پیچیدگیاں ہوتی ہیں جن کا نہ خود ان کو پوری طرح شعور ہوتا ہے اور نہ جن پر وہ قابو ہی پا سکتے ہیں۔ کتنے ہی ذہین افراد ہوتے ہیں جن کی ذہنی سطح خاصی بلند ہوتی ہے، مگر وہ معاشرے سے نظریاتی کشمکش چھیڑ دینے کے بعد اس میں ایسا مرتبہ (STATUS) عملاً حاصل نہیں کر سکتے جو ان کی ذہنی سطح کے شایانِ شان ہو۔ بعض اس معاشی مار کو سہہ نہیں سکتے جو اس راستے کے رہ نوردوں کو کھانی پڑتی ہے۔ بعض اپنی ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ تعمیرِ کردار کی رفتار کو مطابق نہیں رکھ سکتے اور اس وجہ سے ہم خیال قریبی حلقوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں وہ مقامِ اعتبار بھی حاصل نہیں کر سکتے جو ان کی نگاہ میں گویا ان کا استحقاق ہوتا ہے یا اگر وہ اپنی ذہنی صلاحیتوں کے بل پر مزاج کی ناپختگی کے ساتھ کچھ قبل از وقت آگے بڑھ بھی جاتے ہیں تو ایک طرف وہ داخلی طور پر یہ بر خود غلطی کے روگ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف قریبی حلقے کو مطمئن رکھنے میں ناکام رہ جاتے ہیں۔ پھر سب سے بڑی بیماری عجلت پسندی کی ہے جو بالخصوص نوجوان طبقے میں پائی جاتی ہے۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ اتنی محنت کے باوجود رفتارِ کار وہ نہیں بنتی جو دوسرے نظریات اور تحریکوں کی ہے تو وہ اکتا جاتے ہیں اور ان میں تھک ہار جانے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ خصوصاً برائی اور بگاڑ کا حلقۂ اثر ان کے سامنے جس تیزی سے وسیع ہوتا ہے اس کے مقابلے پر جب وہ دعوتِ اسلامی کے اصلاحی کام کے دھیمے عمل کو دیکھتے ہیں تو لبسا اوقات وہ قنوطیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان ساری ذہنی کیفیات کے دوران میں شیطان کو بڑا وسیع موقع ملتا ہے کہ وہ ان میں وساوس پیدا کرے۔ وہ بار بار نظریۂ اسلامی یا تعبیرِ دین کی نظرِ ثانی (RECONSIDERATION) کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ان میں یہ صحیح معنوں میں ایک بات پر ٹھک جانے کی حالت جسے ایمان و استقامت کہتے ہیں، پوری طرح پیدا ہی نہیں ہو پاتی۔ ان کا نقطۂ نظر گھڑی کے لنگر کی طرح ادھر سے ادھر جھولتا رہتا ہے اور ان کی راستے لچلدار کمانی کی طرح تھر تھراتی رہتی ہے۔

ظرفہ یہ ہے کہ صحیح تعبیر کی تلاش میں شک و ریب کا شکار درجۂ اوسط سے زیادہ ذہین حضرات ہی ہوتے ہیں۔ اور بعض غیر معمولی ذہانت سے آراستہ نوجوانوں کے فکری حادثات اور ان کے نتائج و اثرات کا تصور کرتے ہی یہ حقیقت ذہن نشیں ہو جاتی ہے کہ ذہانت کا معاملہ ایک تیز رفتار موٹر گاڑی کا سا ہے کہ ڈرائیور اچھا ہو تو دنوں کی منزلیں گھنٹوں میں کٹ جائیں، اور ڈرائیور اگر کمزور یا غافل مزاج کا ہو تو ایک آن میں پورا سفرِ زندگی طے کرا دے۔ ذہانت جہاں ہوتی ہے، غالباً شیطانی غول بھی وہیں زیادہ چکر لگاتے ہیں۔ یہ کم بخت جس آدمی کو بالکل بے دین بنانے پر قادر نہیں ہوں اسے تعبیرِ دین کے گرداب میں وہ ڈبکنیاں دیتے ہیں کہ کرنے کا کام وہ کر نہیں پاتا، بس ڈبکنیاں ہی کھاتا رہتا ہے۔ صاحبِ ذہانت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آدمی کا حال اس مسافر کا سا ہوتا ہے جس کے جیب و کیسہ میں لعل و جواہر کا خزانہ ہو، چلتے ہوئے وہ عام قافلے سے بہت آگے آگے چلے، اور اس لیے فی الحقیقت اکیلا بھی رہے، اور انہی دو وجوہ سے وہ ہمیشہ قلب و نظر کے رہزنوں کی زد میں رہتا ہے۔ چاہیے کہ وہ خوب چوکنا رہے اور چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ ساتھ ہی چلے۔

اِن وجوہ و اسباب کو سامنے رکھا جائے تو ان مختلف اصحاب کا معمہ حل ہو جاتا ہے جو دین کے جامع تصور کو اپنا کر برسوں اس کے مطابق کام کرنے کے بعد یکایک ٹھٹک جاتے ہیں اور اس کاوش میں پڑ جاتے ہیں کہ تعبیرِ دین میں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ ان کا سفرِ تحقیق و کاوش ساری عمر جاری رہتا ہے، مگر منزلِ یقین کبھی ہاتھ نہیں آتی۔ کولہو کا سا ایک چکر ہے جو کہیں ٹوٹتا نہیں۔ ادھر سے اُدھر ہو کر بھی وہ کرنے کا کام کبھی کر نہیں پاتے۔ وہ ایک تعبیر سے دوسری تعبیر کی طرف مائل ہوتے ہوتے "کثرتِ تعبیرہا" کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ایسے اصحاب ـــــ بزرگ ہوں یا نوجوان ـــــ ان کی نگاہوں میں دین آہستہ آہستہ کہانیوں کا سا پُراسرار محل بن جاتا ہے۔ جو غیر مرئی مکینوں کا مسکن ہے اور جس کی کسی بھی چیز کو ہاتھ لگاتے ہوئے یہ ڈر رہتا ہے کہ نجانے کیا ہو جائے۔ ہمارے دینی فکر میں عجمی تصوف نے جو پُراسراریت پیدا کی اور اس کی وجہ سے تقویٰ کے معنی زندگی میں محتاط روش رکھنے کے بجائے ایک پُر اوہام اور مبہم ڈر کے ہو گئے ہیں، یہ چیزیں ہماری عام مذہبی فضا میں اب تک نفوذ رکھتی ہیں۔ اس پُراسراریت کے تصور اور ہچکچاہٹ کی روش نے قوتِ فیصلہ کو کمزور کر دیا ہے۔ وہ کردار جسے حضورؐ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں آئیڈیل کے طور پر ہمارے سامنے رکھا تھا کہ "قُلْ رَبِّيَ اللّٰهُ. ثُمَّ اسْتَقِمْ" "کہہ دو کہ میرا رب صرف اللہ ہے اور پھر اس پر جم جاؤ"۔ اب حال یہ ہے کہ "ربی اللہ" تو بہت لوگ کہہ سکتے ہیں مگر "ثم استقم" پر کاربند ہونے والے کم ملتے ہیں۔

مگر سوال یہ ہے کہ برسوں ایک تعبیرِ دین کے مطابق کام کرنے کے بعد آپ اگر دوسری تعبیر کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پلٹ جاتے ہیں تو کیا ضمانت ہے اس بات کی کہ اب آپ کی اختیار کردہ تعبیر برحق ہوگی اور آپ مزید چند سال بعد پھر تعبیر کی غلطی کا احساس کرکے اپنا رُخ بدل نہیں لیں گے؟

یہاں مقصودِ گذارش یہ ہے کہ بنیادی تصورِ دین ہرگز کوئی معما نہیں ہے جس کے متعدد حل آپ کے سامنے آئیں اور آپ کبھی ایک کو صحیح قرار دیں اور کبھی دوسرے کو، اور بالیقین کسی پر بھی نہ جما سکیں۔ اس میں پیچیدگیاں پیدا کرنا کہ پہلے یہ اور پیچھے وہ، یا پیچھے یہ اور پہلے وہ، الجھنیں پیدا کرنے کا راستہ ہے۔ اسی طرح اس کو ایک سیدھی سادی حقیقت کے بجائے کوئی ایسی پُراسرار شے بنا دینا کہ جس کے متعلق برسوں آدمی مغالطوں میں پڑا رہے، نت نئے مغالطوں میں گھرے رہنے کا سروسامان کرنا ہے۔

بات سیدھی سادی ہے اور اتنی ہی ہے جتنی ہم شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ دینِ حق کا جوہر ایمان اور تعلق باللہ ہے، بنیادی عبادات سے وہ نشوونما پاتا ہے، اپنی جامعیت و کلیت کی وجہ سے وہ ساری زندگی پر حاوی ہونا چاہتا ہے، کوئی طاقت مزاحم ہوتی ہے تو وہ اس سے معرکہ آرا ہوتا ہے ـــ یہاں تک کہ اس کے اصولوں کے مطابق پورے کا پورا نظامِ عدل سیاسی قوت کے ساتھ اس سرے سے اُس سرے تک چھا جاتا ہے۔

جب آپ "لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ" اور "لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ" کے منشا پر نظر ڈالیں گے، "الجہاد ذروۃ سنامہ" کی حکمت پر توجہ کریں گے، نیز نور و ظلمت، حق و باطل، حزب اللہ اور حزب الشیطٰن کے معرکہ کا تذکرہ بغور پڑھیں گے تو صحیح تعبیرِ دین تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ رہے گی۔

ماضی کی تاریخ نے کوئی پیچیدگی پیدا کی ہے تو اس کے اسباب کا صحیح تجزیہ کیجیے، ماحول اگر ناسازگار ہے تو اس پر اثرانداز ہونے کی نئی راہیں اور موثر تدبیریں ڈھونڈیے، معرکہ لمبا اور کٹھن ہے تو اتنا ہی بڑا صبر پیدا کیجیے، اپنی کچھ ذہنی الجھنیں ہیں تو ان کا توڑ تلاش کیجیے ـــ نہ یہ کہ آپ سارا مقدمہ تصورِ دین یا تعبیرِ دین کے خلاف مرتب کر ڈالیں۔

© rasailojaraid.com